اسلامی تہذیب و ثقافت کا امین اور اصلاح امت کا داعی

ماہنامہ

المصباح

جلد نمبر1، شمارہ نمبر8، ستمبر2025ء، ربیع الاوّل1447ھ

مدیر اعلیٰ

محترمہ ام طہ صاحبہ
ڈائریکٹر الکتاب المبین انسٹیٹیوٹ (کینیڈا)

مدیر مسئول

محترم محمد اسامہ قاسم صاحب
انچارج شعبہ تحریر و تحقیق AKM

زیر اہتمام
الکتاب المبین انسٹیٹیوٹ (کینیڈا)

اسلامی تہذیب و ثقافت کا امین اور اصلاح امت کا داعی

ماہنامہ المصباح

جلد نمبر1، شمارہ نمبر8، ستمبر2025ء، ربیع الاوّل 1447ھ

مدیر اعلیٰ

محترمہ ام طہ صاحبہ
ڈائریکٹر الکتاب المبین انسٹیٹیوٹ (کینیڈا)

مدیر مسئول

محترم محمد اسامہ قاسم صاحب
انچارج شعبہ تحریر و تحقیق AKM

مجلس تحریر و تحقیق

محترمہ ام حارث (کینیڈا)
محترمہ روبینہ عبدالقدیر (پاکستان)
محترمہ نزہت شاہین (کینیڈا)
محترمہ فریحہ خان (امریکہ)
محترمہ فاطمہ قریشی (کینیڈا)
محترمہ ریشماں یسین (کینیڈا)

زیر اہتمام
الکتاب المبین انسٹیٹیوٹ (کینیڈا)

فہرست مضامین

عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر

حصہ: ایمانیات واعتقادات

سلسلہ: خدا موجود ہے۔ قسط:4۔ وجودِ خدا کے فطری تصور کو دبانے کے اسباب	جلال الدین سوئی خیل	4
چمنستان ختم نبوت کے مہکتے پھول	اسماء عصمت	6
تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام اور خلافتِ ارضی کا مقصد و حکمت	ام حارث	7

حصہ فقہ النساء

بیٹیوں کی تربیت میں ماں کا کردار	ریشماں یٰسین	9
حرمت مصاہرت کے فقہی احکام و مسائل	ام مجتبی	11
مومن کبھی مایوس وہراساں نہیں ہوتا	ام وردہ	13

حصہ اصلاح معاشرہ

Practical Aspects of the Prophet 's ﷺ life	Fareeha Khan	16
معاشرتی استحکام میں خاندان کی اہمیت	نزہت شاہین	20
سماج میں تنہائی پسندی کا بڑھتا ہوا ناسور	افشین خان	22

حصہ تدبیر منزل

توہم پرستی کے معاشرتی ونفسیاتی اسباب	ریشماں یسین	25
ہنر مند خواتین سماج کا فخر	میمونہ راحت	27

حصہ بزم اطفال

کہانی: اللہ تعالیٰ کے حضور	عظمی بابر	29
Words of Magic Or Wisdom?	Fatima Qureshi	32

سلسلہ: خدا موجود ہے۔

قسط:4۔ وجودِ خدا کے فطری تصور کو دبانے کے اسباب

جلال الدین سوئی خیل

"انسانی فطرت میں خدا کا تصور موجود ہونے کے باوجود دہریہ کیوں موجود ہیں؟" اس سوال کا ایک جواب یہ دیا تھا کہ انسانی فطرت خارجی اسباب کی وجہ سے دب جاتی ہے۔ اس پر مختلف خارجی اسباب کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ اس بات کو مثالوں سے واضح کیا تھا۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ دہریوں میں انسانی فطری تصور یعنی وجودِ خدا کے تصور کو دبانے کے اسباب کیا کیا ہیں؟

مشاہدہ اور تجربے سے ثابت ہے کہ دہریوں میں وجودِ خدا کا تصور درج ذیل اسباب کی وجہ سے مخفی یا پوشیدہ ہو سکتا ہے:

1. سماجی اور خاندانی اثرات:

انسانی فطرت میں خدا کا تصور موجود ہوتا ہے مگر اس فطری تصور کے باوجود دہریت کے وجود کی وجہ یہ ہے کہ دہریوں کے لیے عام طور پر ایسا سماج، معاشرہ اور گھرانہ مہیا ہوتا ہے، جو اس فطری تصور کے باوجود ان کو خدا کے انکار کے طرف کھینچ لیتا ہے۔ دہریت عام طور پر ایسے ماحول اور گھرانے میں پیدا ہوتی ہے جہاں خدا کا تصور پہلے سے مسخ یا بدنام ہوتا ہے یا اس معاشرے پر مادہ پرستی غالب ہوتی ہے، جس کی وجہ سے خدا کا تصور ان کے لیے ناقابلِ یقین ہوتا ہے۔

2. گمراہ کن تعلیمی وتربیتی ماحول:

سماج اور گھرانے کے علاوہ دہریوں کے حصے میں نظامِ تعلیم اور تعلیمی نصاب بھی ایسا آتا ہے، جس میں مادہ پرستی، مذہب بیزاری اور مذہب کے حوالے سے شکوک وشبہات پر مبنی فلسفے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ ایسی تعلیم سے انسانی ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہی شبہات خدا کے وجود کے فطری تصور پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

3۔ درست معلومات اور علم کی کمی:

خدا کا اجمالی تصور فطری ہے، مگر تفصیلی عقیدہ سیکھنے سے آتا ہے۔ درست معلومات اور دینی تعلیم حاصل کرنے سے آتا ہے۔ توحید کی جبلت انسان میں ہے، لیکن وحی کی رہنمائی کے بغیر وہ اس کو مکمل اور درست طور پر نہیں جان سکتا۔ اس لیے دہریت "تعلیم کی کمی" یا "مسخ شدہ تصور" کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

4۔ خدا کے تصور سے خوف یا اخلاقی طور پر انکارِ خدا:

فطرت میں خدا کا تصور موجود ہونے کے باوجود بعض دہریے "خدا" کا انکار اس بنیاد پر کرتے ہیں وہ خدا کے تصور کو قبول کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ خدا کے وجود کے تصور کو قبول کرنے کے اخلاقی یا نفسیاتی نتائج سے بچنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ اس تصور کو قبول کرنے کا مطلب اخلاقی طور پر جواب دہی کے لیے تیار ہونا ہو گا۔ حلال و حرام میں تمیز ضروری ہو گی۔ تمام شرعی حدود کی پابندی کرنی ہو گی. دہریہ خدا کے وجود کا انکار کر کے اپنے زعم کے مطابق جواب دہی سے بچنا چاہتے ہیں۔

5. شخصی نفسیاتی تجربات:

فطرت میں خدا کے وجود کا تصور موجود ہونے کے باوجود بعض افراد ناامیدی، مایوسی، یا ذاتی مصائب کی وجہ سے وجودِ خدا کے تصور کو رد کرتے ہیں۔ ایسے افراد اسلامی معاشرہ اور مثبت تعلیمی ماحول مہیا ہونے کے باوجود خدا کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ عمر کا ایک حصہ خدا کو مانتے رہتے ہیں اور پھر ذاتی حالات کی وجہ سے خدا کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ: "جب ہم فلاں مصیبت میں تھے، تو خدا کہاں تھا؟ جب ہم نے فلاں موقع پر دعائیں مانگی تھی، خوب عاجزی اور صدقِ دل سے مانگی تھی، ہمیں کوئی جواب نہیں ملا۔ خدا ہے، تو اس وقت کہاں تھا؟

6. اختیار و آزمایش کا اصول:

خدا کا تصور انسانی فطرت میں موجود ہے، مگر یہ تصور اتنا واضح بھی نہیں ہے کہ انکار ممکن نہ ہو۔ کیونکہ دین اسلام کے مطابق دنیا دارالامتحان ہے۔ اگر خدا کا تصور انسان پر اتنا ہی واضح ہوتا کہ انکار ممکن نہ ہوتا، تو آزمایش کا مفہوم ہی ختم ہو جاتا۔ اب جس نوعیت کا تصور انسانی فطرت میں موجود ہوتا ہے، دہریہ اس تصور کے حوالے سے امتحان میں ہار جاتے ہیں۔

7. کبھی دہریت صرف "اظہار" تک محدود ہوتی ہے:

بعض دہریہ دل میں خدا کی موجودگی کے قائل ہوتے ہیں۔ خدا کا فطری تصور دل میں ہوتے ہوئے بھی ظاہراً خدا کا انکار کرتے ہیں۔ اس انکار کی وجہ مختلف ہو سکتی ہے؛ کوئی مفاد، دباو، فیشن، یا ردِ عمل وغیرہ۔

چمنستان ختم نبوت ﷺ کے مہکتے پھول

اسماء عصمت

عنوان: حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا

نام "نسیبہ"، کنیت "ام عمارہ"، قبیلہ "خزرج کے خاندان نجار سے" تھیں۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا حضور سرورِ کونین ﷺ سے غایت درجے کی عقیدت اور محبت رکھتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جنگ احد میں ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے شوہر حضرت زید بن عاصم رضی اللہ تعالی عنہ اور اپنے دو بیٹوں، حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ جب کفار نبی ﷺ پر حملہ آور ہوئے تو یہ آپ ﷺ کے قریب آکر حملہ روکنے والے صحابہ رضوان اللہ تعالی عنہ کے ساتھ شامل ہو جاتیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس وقت حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خواہش پر ان کے اور ان کے خاندان کے لیے دعا فرمائی کہ: "اے اللہ ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنادے۔"

حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا زندگی بھر یہ بات علی الاعلان کہتی تھیں کہ: "نبی ﷺ کی اس دعا کے بعد میرے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑائی میں اپنی روایتی بہادری سے حصہ لیا۔ وہ شروع ہی سے مسیلمہ کی تاک میں تھیں۔ سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ بھی اسی تاک میں تھے۔ جب لڑائی باغ کے اندر داخل ہوئی، تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا زخم پر زخم لگاتی اور کھاتی مسلیمہ کذاب کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اس کوشش میں انھیں 11 زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گئ، مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ قریب پہنچ کر وار کرنے کے لئے برچھی سنبھالی تو کذاب پر بیک وقت دو وار پڑتے دیکھے گئے، جن سے وہ موذی کٹ کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ نظر اٹھائی تو پہلو میں اپنے فرزند عبد اللہ کو کھڑے پایا ساتھ حضرت وحشی رض اللہ تعالی عنہ کو دیکھا، جنہوں نے اپنا حربہ پھینکا تھا جب کہ عبد اللہ نے تلوار سے وار کیا تھا۔ اس معرکے میں مسیلمہ کذاب مارا گیا۔

اللہ سبحانہ وتعالی ہم سب کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسا جذبہ اور ہماری خواتین کو ام عمارہ رضی اللہ عنہا جیسی بہادری عطا فرمائے آمین۔

تخلیقِ حضرت آدم علیہ السلام اور خلافتِ ارضی کا مقصد وحکمت

ام حارث

انبیاء علیہم السلام اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں جو انسانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے۔ ان کا مقصد اللہ کا پیغام پہنچانا، توحید کی دعوت دینا اور صراطِ مستقیم کی طرف بلانا تھا۔ سب کا پیغام ایک تھا: "اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔ پہلا نبی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں جن پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ان کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی ہم دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کو اطلاع دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" "میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں" (البقرہ:30)۔

اللہ تعالیٰ نے مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پیکر بنایا، پھر اس میں اپنی روح پھونکی، یوں آدم علیہ السلام کو زندگی عطا ہوئی۔ قرآن میں فرمایا گیا: "جب میں اسے درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ کرو" (الحجر:29)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم و عقل کی فضیلت دی اور تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جس نے تکبر کیا اور اللہ کی نافرمانی کی۔ یہی سرکشی انسان اور شیطان کے درمیان دشمنی کی ابتدا بنی۔

خلافت کا جو معنیٰ اللہ تعالیٰ کی نیابت بیان کیا جاتا ہے، کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، وہ دو حوالوں سے ہے: ایک خلافتِ ارضی اور دوسری خلافتِ شرعی۔ دونوں کا اپنا اپنا دائرہ ہے۔ خلافتِ ارضی یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے زمین کا نظام اور اس کا کنٹرول انسان کے حوالے کیا ہے۔ زمین پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں قسم کے جاندار رہتے ہیں، ہم سے چھوٹے بھی اور بڑے بھی، ہم سے کمزور بھی اور زیادہ طاقتور بھی، لیکن زمین کے نظام کو صرف انسان ہی چلا رہا ہے۔ خلافتِ شرعی یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے احکام پر عمل درآمد کے لیے ہمیں یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ ہم اللہ کے قانون اور اس کے نظام کو اس کی زمین پر قائم کریں۔

ان ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ خاندانی نظام کا آغاز بھی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام کو پیدا کر کے زوجیت کا رشتہ قائم کیا، تاکہ نسلِ انسانی کا تسلسل اور معاشرتی زندگی کا آغاز ہو۔ یہی خاندان انسان کی پہلی درسگاہ اور معاشرے کی بنیادی اکائی قرار پایا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ خلافت کا تصور صرف زمین کے مادی نظام تک محدود نہیں بلکہ دینی واخلاقی اقدار کے قیام اور خاندانی ومعاشرتی نظام کے استحکام تک پھیلا ہوا ہے۔یہی انسان کی اصل کامیابی اور اس کے وجود کا مقصد ہے۔

انسان کی اصل غایت بندگیِ الٰہی ہے۔ دنیاوی ترقی، وسائل اور طاقت سب اسی مقصد کے تابع ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے نام سکھا کر واضح فرمایا کہ انسان کی فضیلت کا اصل سبب علم ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "علم عبادت سے افضل ہے"، کیونکہ علم کے بغیر نہ عبادت درست ہو سکتی ہے اور نہ زندگی کا مقصد پورا کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، فہم اور بصیرت عطا کی تاکہ وہ خیر و شر اور نیکی و بدی میں فرق کر سکے، اطاعتِ خداوندی کو اختیار کرے اور زمین پر ایسا نظام قائم کرے جو عدل، امن اور خیر کا مظہر ہو۔ یہی انسان کی اصل کامیابی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے یہ سبق ملتا ہے کہ غرور اور حسد ہلاکت کا سبب ہیں، جبکہ عاجزی، شکر اور تقویٰ کامیابی کی راہ ہیں۔ غصے میں ضبطِ نفس ضروری ہے تاکہ اخلاقی بگاڑ سے بچا جا سکے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، اس کے فریب سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ ضروری ہے۔انسان دنیا میں امتحان کے لیے آیا ہے، یہ عارضی زندگی آخرت کی تیاری کا موقع ہے، اس لیے اصل فکر آخرت کی ہونی چاہیے۔

اگر انسان سے خطا ہو جائے تو اللہ کی طرف رجوع کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے لغزش کے بعد معافی طلب کی اور قبول ہوئے۔نافرمانی دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے۔اجتماعی زندگی میں مشورہ اور سوال کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ اللہ نے انسان کو اصلاح کی صلاحیت دی ہے۔ اگر ہم اللہ کے احکام کی پیروی کریں، غرور اور حسد سے بچیں تو خلافت کا مقصد پورا ہوگا۔ یہ ذمہ داری ذاتی اور اجتماعی دونوں ہے۔ زمین کی آبادکاری، عدل، اخلاقی قدروں کا تحفظ اور فساد سے بچاؤ خلافت کی امانت ہے، اور اطاعت، علم و تقویٰ انسان کی اصل شان ہیں۔

بیٹیوں کی تربیت میں ماں کا کردار

ریشماں یسین

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت اولاد بھی ہے، جو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ یہ انسان کا بہترین سرمایہ اور اس کی امیدوں وخواہشوں کا سب سے بڑا مرکز بھی ہے۔ اس سرمایہ نعمت میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل ہیں۔ اسی لئے والدین دونوں کی تعلیم وتربیت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ رکھیں، کیونکہ دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ والدین ان کے اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کریں اور غلط کاموں پر تنبیہہ کریں۔

خاص طور پر بیٹیاں گھر میں رحمت اور رونق کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ بیٹیاں خصوصی محبت اور توجہ کی مستحق ہیں، کیونکہ یہ ہمارے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتیں ایک دن ان کو اپنے گھر (بیاہ کر) جانا ہوتا ہے۔ اس لئے ابتداء ہی سے بیٹیاں اپنی ماں کے بہت قریب ہوتی ہیں۔

ماں بیٹی کی پہلی معلمہ بھی ہے اور درسگاہ بھی۔ جو بیٹی کی اچھی دینی ودنیاوی تعلیم وتربیت کرتی ہے، تاکہ وہ کل آنے والی نسل کی بہترین تربیت کرسکے۔ ایک بہترین ماں اپنی بیٹی کو اچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ آدابِ زندگی، گھریلو امور، سلیقہ مندی، صبر اور برداشت جیسے تمام امور بچپن ہی سے سکھاتی ہے۔ کیونکہ بچپن میں سکھائی گئی باتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ یہ ماں ہی ہے جو صبر، برداشت، اخلاق اور حوصلے کے گہرے سبق دیتی ہے، پھر یہی سبق بیٹی کو زندگی کی الجھنوں، تکلیفوں اور چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ہمت وحوصلہ فراہم کرتے ہیں۔ جن سے تقریباً ہر لڑکی کو گزرنا پڑتا ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ وہ اس کی ظاہری پاکی وطہارت کے ساتھ باطن کی پاکیزگی کا بھی خیال کرتی ہے۔ تاکہ اس کا دل بُری صِفات سے پاک رہے۔ وہ اس کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرواتی ہے، کہ زندگی میں جو تکلیفیں آتی ہیں، اُن سے پریشان ہوکر اُن کے سامنے نہ جھکیں۔ بلکہ آگے بڑھ کر اور مضبوط ہوکر ان کا مقابلہ کریں۔ کیونکہ خوشی اور غم کبھی بھی ہمیشہ نہیں رہتے یہی وجہ ہے کہ اس کا ہر عمل نصیحت، اور دعا بیٹی کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ بیٹی کو زندگی کا فلسفہ بھی سمجھاتی ہے کہ حوصلہ وہمت ہی وہ چراغ ہے جو اندھیروں سے روشنی کے راستے پر گامزن اور ناامیدی کو ختم کرتا ہے۔

اکثر گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ گھر کے افراد بیٹیوں کی بات توجہ سے نہیں سنتے یا پھر سنتے ہی نہیں ہیں۔ جس سے وہ اپنی بات کا اظہار نہیں کرپاتیں، یہاں ماں کی زمہ داری ہے کہ وہ ان کے ساتھ دوستی کا تعلق پیدا کرے، ان کی باتوں کو توجہ سے سنیں اور اپنا اعتماد ان کے اندر پیدا کروائیں۔ تاکہ وہ اپنی مشکلات کا اظہار آسانی سے کرسکے۔

عصر حاضر میں موبائل فون کا استعمال بہت زیادہ ہے اور اس کے ساتھ سوشل میڈیا پر ایسی سرگرمیاں ہورہی ہیں، جن سے بچوں کو محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ والدین گھر کا ماحول خوشگوار اور دوستانہ بنائیں۔ تاکہ ایک گھر میں سب بہن بھائی اچھی طرح رہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة. علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔(سُنَنِ اِبن ماجہ،:۲۲۴) اسلام میں علم کی بڑی اہمیت ہے جس کی وجہ سے وہ دونوں (مرد و عورت) کو مخاطب کرتا ہے۔ اور اس نے دونوں کو عبادت اور اخلاق و شریعت کا پابند بنایا ہے۔ جو کہ علم کے بغیر ممکن نہیں۔ علم کے بغیر عورت اپنے حقوق کی حفاظت اور نہ ہی اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے وَالدین کا فرض ہے کہ وہ ان کو بہترین تعلیمی سہولتیں مہیا کریں، اس سے بیٹیوں میں اعتماد کی فضا قائم ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں جہاں اور جس میدان میں بیٹیوں پر اعتماد کیا گیا وہاں انہوں نے مایوس نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے سیاست، کھیل، تعلیم، میڈیسن اور تفریح سمیت مختلف شعبوں میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب والد اپنی بیٹیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو اس سے انہیں حوصلہ، طاقت اور مورل سپورٹ ملتی ہے۔ جس سے وہ مزید بہترین کام سر انجام دیتی ہیں۔ وَالدین کا پیار اور اعتماد انہیں زندگی کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کی طاقت دیتا ہے۔ پھر یہی بیٹیاں اکثر اپنے بوڑھے وَالدین کی دیکھ بھال بھی کرتی ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ والدین کا بچپن کے دوران بننے والا رشتہ بہت مضبوط ہے۔

اپنی بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دیں، والدین اپنی بیٹیوں کو اللہ کا خاص تحفہ سمجھیں، یہ وہ چڑیا ہیں جو آج والدین کے گھروں میں چہچہا رہی ہیں کل جب یہ اڑ جاتی ہیں، تو گھر کو سونا کر دیتی ہیں۔ ان سے پیار وَ محبت کا سلوک کریں، بیٹیاں بھی اپنے مقام پر رب کا شکر ادا کریں، اور ایسی ہی بیٹی بن کر دکھائیں جیسے اسلام اور معاشرے کو ان سے توقع ہے۔

حرمت مصاہرت کے فقہی احکام ومسائل

ام مجتبی

حرمت مصاہرت سے کیا مراد ہے؟حرمتِ نکاح کی تین قسمیں ہیں :

1)حرمت نسب۔

2)حرمت رضاعت۔

3)حرمت مصاہرت۔

حرمت مصاہرت سے مراد وہ رشتہ جو ساس اور داماد ہونے کی بنا پر قائم ہو۔ قولہ تعالی:

"وامهات نسائكم وربائبكم التي في حجوركم......-الى قوله الذين من اصلابكم" -سوره النساء (23)

ترجمہ:اور حرام کی گئ تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں نکاح کے لیے۔۔۔۔

حرمت مصاہرت وہ تعلق ہے جو نکاح یا اس سے ملتے جلتے عمل کے نتیجے میں قائم ہوتا ہے،اور اس کی وجہ سے بعض افراد کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔

حرمت مصاہرت:

1)اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کی ماں (ساس) اور بیٹی (سوتیلی بیٹی) اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہیں۔

2)اسی طرح اگر کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کیا تو اس مرد کے باپ (سسر) اس مرد کے بیٹے (سوتیلے بیٹے) اس عورت پر حرام ہو جاتے ہیں۔

3)چھونے سے حرمت مصاہرت:

اگر کسی مرد نے کسی عورت کو اور کسی عورت نے کسی مرد کو شہوت کے ساتھ چھو لیا تو اس چھونے کا حکم جماع کی طرح ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے،اسی طرح اگر کسی مرد نے عورت کی شرمگاہ کو یا عورت نے مرد کی اندرونی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے۔ باقی تینوں اماموں کے نزدیک چھونے اور دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ چھونا اور دیکھنا جماع کے لیے داعی ہے لہذا احتیاط کے مقام میں ان کو جماع کا قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن انزال کے بعد جماع کا تقاضا ہی ختم ہو جاتا ہے اس لیے انزال کے بعد مصاہرت کا حکم نہ ہو گا۔ شہوت کے ساتھ چھونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں انتشار پیدا ہو جائے۔

4)زنا سے حرمت مصاہرت:

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی، یعنی زنا کرنے والی عورت کی ماں یا بیٹی سے نکاح حرام نہیں ہو جاتا۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت کا موجب ہے۔ امام مالک کا بھی ایک قول اسی طرح مروی ہے۔ امام احمد نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت یا کسی مرد سے لواطت کرے تو اس مفعول مرد اور عورت کی ماں اور بیٹی سے اس فائل کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ صحیح یہ ہے کہ حلال جماع پر زنا کو قیاس کیا جائے۔

لہذا ان تمام احکامات کو جاننے کے بعد یہ بے پناہ ضروری ہے کہ بلوغت کے بعد مرد اور عورت ان تمام احکامات کو سیکھیں اور سمجھیں، کیونکہ گناہ کے اثرات نسلوں میں بھی منتقل ہوتے ہیں۔ جیسے پتھر چاہے اپ کو غلطی سے لگے یا جان بوجھ کر تکلیف دیتا ہے۔ اسی طرح گناہ اگرچہ انجانے میں ہی کیوں نہ ہو اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

مومن کبھی مایوس وہراساں نہیں ہوتا

ام وردہ

ارادے جن کے پختہ ہوں

نظر جن کی خدا پر ہو

تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

دین اسلام ایک معتدل دین ہے جس میں انسان کے ہر پہلو کی رہنمائی کی گئی ہے۔انسان کی زندگی میں مختلف اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ کبھی ہنسی، کبھی خوشی، کبھی غم، ہر پل انسان کسی نہ کسی کیفیت کا شکار ہوتا ہے۔ انسان کی عمومی عادت یہ ہے جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔اور جب کوئی خوشی پہنچتی ہے، تو اللہ کو بھول جاتا ہے۔ انسانوں میں "مومن" کی شان بالکل ہی الگ ہے۔ مومن پر جب کوئی غم کا موقع آئے تو صبر کرتا ہے،اور خوشی کے موقع پر شکر۔

مستقبل کے بارے میں اچھی توقع رکھنا، اور ہمیشہ پُر امید رہنا مومن کی خاص صفت ہے۔ جس سے انسان کے اندر خوشی ومسرت کا احساس موجزن رہتا ہے۔ وہ اپنے مستقبل کو منفی نگاہ سے نہیں، بلکہ مثبت زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ ہر چیز کو مثبت نظر سے دیکھتا اور منفی انداز فکر سے گریز کرتا ہے۔

یہ امید اور مومنانہ صفت انسان کو موجودہ مشکلات و دشواریوں سے برداشت کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اور اس کے اندر روشنی کی کرن پیدا کرتی ہے۔ جس میں وہ مستقبل کو آج سے بہتر دیکھتا ہے۔ وہ پُر امید ہوتا ہے کہ آج کے مصائب وآلام اور آج کی تاریکی چھٹے گی۔ اور کل کا دن اس کے لئے ایک نئی بہار لے کر آئے گا۔

مومن مایوس اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ:" الایمان بین الخوف والرجاء "(ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے) مومن کو اللہ کی ذات پر یقین ہوتا ہے اگر کوئی چیز مجھے نہیں مل رہی، تو اس میں میرے رب نے میرے لیے خیر رکھی ہوگی۔ اس کے بدلے میں بہترین عطا کرے گا۔ مومن مایوسی کا شکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے سامنے موجود ہے "امید" اور "نیک گمان"۔

نیک توقعات انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ میں سے شمار کی گئی ہیں۔ جبکہ ناامیدی کفر کی علامت قرار دی گئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ جملہ فرمانا بھی ایک امید دلاناتھا کہ: ''لا تحزن ان الل ہ معنا'' ''غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''(سورہ التوبہ آیت 40)

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارنا، اللہ تعالی کا انہیں نجات عطا فرمانا، اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو مختلف ازمائش سے نوازنے کے بعد انعام سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، اس کے باوجود ان کو اولاد سے نوازا گیا۔

مومن سے گناہ ہو جائے تب بھی وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے سامنے اللہ تعالی کا مبارک ارشاد موجود ہے: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ-اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًاؕ-اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

''کہہ دیجیے! اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بے شک وہ گناہوں کو بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''
(سورہ الزمر آیت 53)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے سے اگرچہ بڑے بڑے اور بے شمار گناہ صادر ہوئے ہوں، لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے انتہا وسیع ہے۔ اور اس کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت کا دروازہ تب تک کھلا ہے، جب تک بندہ اپنی موت کے وقت نزع کی حالت کو نہیں پہنچ جاتا۔ اس وقت سے پہلے پہلے بندہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لے گا، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے اس کی توبہ قبول کرتے ہوئے اس کے سب گناہ معاف فرمادے گا۔

مومن مایوس اس لیے بھی نہیں ہوتا، وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالی کی عنایت اور رحمت کا وقتاً فوقتاً مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ کہ کیسے اللہ تعالی نے میری اس مشکل کو دور کر کے، میرے لیے آسانی پیدا فرمائی۔ اس کے سامنے ابدی اور دائمی نعمتیں ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے سامنے اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ: ''ان مع العسر یسرا''

ترجمہ: ''بے شک ہر تنگی کے ساتھ اسانی ہے۔'' (الم نشرح)

اور اس کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ مشکلات کا آنا انسان کو نکھارتا ہے۔ اس میں مزید قوت اور صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ، اللہ تعالی بندے کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے۔ بلکہ بہترین اجر دنیا اور آخرت میں عطا فرماتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:"والذین جاھدو فینا لنھدینا لھم سبلنا" "جو شخص ہماری راہ میں کوشش کرتا ہے، ہم ضرور اس کی رہنمائی فرماتے ہیں۔" (سورہ العنکبوت آیت 69)

کبھی مایوس مت ہونا،اندھیرا کتنا گہرا ہو

خدا حاضر ہے ناظر بھی،خدا ظاہر ہے منظر بھی

وہی ہے حال سے واقف،وہی سینوں کے اندر بھی

مصیبت کے اندھیروں میں،کبھی تم مانگ کر دیکھو

تمہاری آنکھ کے آنسو،یوں ہی ڈھلنے نہیں دے گا

Practical Aspects of the Prophet ‘s ﷺ life

By: Fareeha Khan

Muslim Ummah is blessed with the perfect example in Prophet Muhammad .ﷺ His character shone from every angle, and this was noticed both by those who experienced him firsthand and those who later read his biography. Let’s look at some of the distinguishing qualities of our Prophet ﷺ and try to follow his sunnah .

His honesty and integrity:

He ﷺ was a person whose honesty was common knowledge among his clansmen, and they officially titled him al-Amīn . Even when they persecuted him and rejected his message, they still trusted him with their most precious possessions. A powerful testament to his integrity was his refusal to allow anyone to magnify his position. Jābir ibn ‘Abdillāh (rA) narrates that there was a solar eclipse on the day that Ibrahim, the son of Allah’s Messenger ،ﷺ had died. When the people began to say that the eclipse was due to the death of his child, he ﷺ rose at once and said, “The sun and the moon are not eclipsed because of the death or birth of anyone. Rather, they are two of God’s signs, by which He instills fear in His slaves. When you see an eclipse, pray and invoke God.” (Al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, 2:39, no. 1060)

His mercy and compassion:

The Prophet’s“ ﷺ character was the Qur’an,” (Muslim, Ṣaḥīḥ Muslim, 1:512, no. 746.) as described by Aisha (rA). He ﷺ practiced everything that he preached, and since the Qur’anic message preached mercy above all, this quality was more pronounced in his practice than anything else. He cautioned his companions, “When one

of you leads the people in prayer, he should be light, for among them are the weak, and the ill, and the elderly. And when one of you is praying alone, then let him elongate it as he pleases." (Al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, 1:142, no. 702) .

His simplicity and humility:

He ﷺ was the leader of Muslim Ummah, yet we see no signs of luxury in any sphere of his life. His living quarters were so tight that when he ﷺ wished to pray, he would tap 'Āisha (rA) to bend her legs to make room for him to prostrate. To drink or bathe, he would reach for the small leather waterskin that hung in his room. For months on end, no fire would be kindled for cooking in his home, and his family was content with dates and water unless someone gifted them some milk .

His forgiveness:

His heart was always filled with mercy and good will, extending to both friends and foes. Abū Jahl being a heartless murderer did not prevent the Prophet ﷺ from praying for him, nor from appreciating his promising leadership qualities that could potentially be used for good .

During the Battle of Uḥud when he got injured, he prayed, "O Allah, forgive my people, for they do not know." (Ibn Ḥibbān, Ṣaḥīḥ Ibn Ḥibbān, 3:254, no. 973)

His bravery and Courage:

His complete trust in Allah blessed him with unmatched courage. Alī ibn Abī Ṭālib (rA), said, "I myself witnessed on the Day of Badr how we used to stay close to the Prophet ﷺ for cover, and he was the

closest of us to the enemy, and he was the fiercest warrior on that day."(Ibn Ḥanbal, Musnad Aḥmad, 2:81, no. 653)

His perseverance and trust in Allah (SWT: (

Our Prophet ﷺ showed exemplary endurance and consistency throughout his life. Consider a man who lost both of his parents and his grandfather in his childhood. Who went through tremendous hardships all his life. Somehow, he ﷺ still persevered with hope and persisted in matchless ethics. He ﷺ rose from that abyss of negativity and not only survived but became a fountain of mercy and empathy for people, animals, and plants alike. Only Allah's guidance could have kept his heart grateful and patient in times of hardship.

His generosity:

Everyone who interacted with Muhammad ﷺ recognized him as the most generous of people, and it was well known that he never consumed any of the charity he collected. He ﷺ would even share the wealth he acquired with his enemies to help them overcome their prejudices .

Listening to other people advice:

He ﷺ always listened to the advice and opinions of his companions. He ﷺ relied on it before going through major decisions that affect the Muslim Ummah. This strengthened his leadership and resulted in the optimum decision-making .

Our Prophet's ﷺ life was marked by profound teachings, exemplary character, and unwavering devotion to Allah. Say, [O Muhammad], 'If you should love Allah, then follow me, [so] Allah will love you and forgive you your sins.'" (Quran 3:31) This verse

emphasizes the importance of following the example of Prophet Muhammad to gain Allah's love and forgiveness .

May we all learn from his life lessons and be granted the blessing of applying it and following in his footsteps, ameen.

معاشرتی استحکام میں خاندان کی اہمیت

نزہت شاہین

اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاندان کی بنیاد جو ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے ان دونوں سے مل کر بننے والا اجتماعی دائرہ انسانی تہذیب کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ دین اسلام میں مرد اور عورت کی یہ رفاقت نکاح کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت اپنے اوپر بھاری ذمہ داری عائد کرتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے اس کے پابند ہو جاتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:(الرجال قوموں علی نساء) سورہ نساءایت :34۔ترجمہ: مرد عورتوں پر نگران ہیں۔

مرد اپنے اہل وعیال کی دنیاوی ضروریات اور اُخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنے والا اور اللہ تعالی کے ہاں اس کا جوابدہ ہے۔ بیوی اس کی ماتحت گھر کا اندرونی نظم ضبط چلاتی ہے۔ بیوی کے لیے ضروری ہے وہ گھر کا نظام چلانے کے ساتھ شوہر کی رفاقت اور اپنی عفت کی پوری حفاظت کرے۔

عورت مرد کی اس میلاپ سے ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے۔ اس سے رشتے کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ بلا آخر یہی رشتہ پھلتے پھلتے ایک معاشرے کو جنم دیتے ہیں۔

خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس میں نسل در نسل پروان چڑھتی ہے۔ یہ ادارہ ایک ایسی ابتدائی تربیت گاہ ہے جہاں محبت، ایثار، خیر خواہی اور حسن اخلاق رکھنے والا مسلمان جنم لیتا ہے۔ اس کو اس سانچے میں ڈھالنے میں عورت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ زمانہ جدید میں عورت کے بنیادی کردار کا دائرہ کار بھی بدل گیا ہے، جس کا اطلاق عورت کے حقوق سے لے کر اس کی فرائض اور ذمہ داریوں تک ہر پہلو پر ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی اور ان سے ہی حضرت حوا کو پیدا کیا۔ یہ ممکن تھا کہ اللہ تعالی ایک ہی وقت میں بہت سارے مرد اور بہت ساری عورتیں پیدا کر دیتا اور ان سے بیک وقت نسل انسانی کا سلسلہ چل نکلتا مگر ایک ہی وجود سے نسل انسانی کے وجود اور حیات بخش کر قدرت نے ایک طرح سے بنی نوع انسان کو ایک خاندان کا تصور دے دیا اور ان میں ایک نسبتی تعلق پیدا کر دیا۔

آج کے دور کے تقاضوں کے پیش نظر عورت پر معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہیں - معاشی حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ مرد کے ساتھ ساتھ وہ بھی خاندان کی کفالت میں حصہ لے اور معاشرے کی ترقی میں کردار ادا کرے۔ معاشی اور معاشرتی کردار جو اب تک اختیاری ذمہ داری تھی اب ناگزیر ہو گیا ہے۔

یہاں یہ ایک بات واضح رہے کہ ان معمور میں اضافے سے عورت اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے زیادہ پابند اور ذمہ دار ہو گئی ہے۔ جہاں حالات نے عورت کے کردار کو بدل دیا ہے وہاں عورت بہت سارے مسائل سے بھی دوچار ہو رہی ہے۔ اگرچہ موجودہ حالات بدل گئے ہیں مگر معاشرہ عورت کو آج بھی انہی پرانی روایات پر پرکھ رہاہے۔ آج جب عورت تعلیم حاصل کرنے اور روزگار کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے تو خاندان اور معاشرہ اس کو وہ آسانی اور سہولت نہیں دیتا جو اس کا حق ہے۔ ساتھ ہی اس سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اولاد کی تربیت اور خاندان کی ذمہ داری آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق کرے۔ اس تضاد کی وجہ سے معاشرے میں انتشار پیدا ہو رہاہے جو نہ صرف انفرادی سطح پر مرد و عورت کی تعلق کو متاثر کر رہاہے بلکہ اس سے ہمارا معاشرہ، ہمارا خاندانی نظام بھی عدم استحکام کا شکار ہو رہاہے۔ ان مسائل کی وجہ سے عورت عدم تحفظ کا شکار ہو رہی ہے اور اس سے ہماری آنے والی نسلیں براہ راست متاثر ہو رہی ہیں۔ اسلامی معاشرے میں خاندان کی ابتدا مرد اور عورت کے رشتہ ازواج میں منسلک ہونے سے ہوتی ہے جو دراصل خاندان کی قیام کا پہلا تقاضہ ہے۔ اس لیے اسلامی تہذیب و تعلیمات میں نکاح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

آج حالات یہ تقاضا کرتے ہیں کہ عورت کے کردار کو سمجھا جائے اسے وہ سارے وسائل اور مواقع بھی فراہم کیے جائیں جو اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھیں اور وہ اپنے تمام امور اور ذمہ داریوں کو نبھانے کے قابل ہو سکے۔ اور دوسری طرف عورت ترقی کی دوڑ میں اپنی اولین فریضہ کو قطعی نظر انداز نہ کرے۔ بلکہ اس امر کو یقینی بنائے کہ اس کا خاندان اس کی توجہ کا مرکز و محور رہے۔ مرد عورت کے ساتھ گھریلو امور میں تعاون کرے اور عورت اس کے ساتھ معاشی ذمہ داریوں میں شریک رہے۔ اس طرح دونوں مل کر خاندان کو مستحکم کر سکیں گے۔ جب اس پر اعتماد اور محفوظ ماحول میں بچوں کی پرورش ہو گی تو نہ صرف خاندان بلکہ معاشرہ اچھی اقدار کا حامل ہو گا۔

سماج میں تنہائی پسندی کا بڑھتا ہوا ناسور

افشین خان

انسان فطری طور پر ایک سماجی مخلوق ہے۔ تعلقات، میل جول، اور ایک دوسرے سے جڑے رہنا، ہماری زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے جدید دور میں یہ فطری رشتہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ ''تنہائی پسندی'' ایک ایسا خاموش ناسور ہے جو نہ صرف فرد کی شخصیت کو کھوکھلا کر رہا ہے بلکہ معاشرتی ڈھانچے کی جڑوں کو بھی کمزور کر رہا ہے۔

تنہائی پسندی کی وجوہات:

سب سے پہلی اور اہم وجہ ٹیکنالوجی کا بے جا استعمال ہے۔ سوشل میڈیا اور آن لائن رابطوں نے ہمیں اس حد تک جکڑ لیا ہے کہ حقیقی ملاقاتیں نایاب ہو گئی ہیں۔ ورچوئل لائکس اور کمنٹس نے خلوص پر مبنی گفتگو اور قربت کی جگہ لے لی ہے۔

دوسری وجہ مصروف طرزِ زندگی ہے۔ ہر شخص اپنے کام، کیریئر اور ذاتی ترجیحات میں اتنا الجھ گیا ہے کہ رشتوں کے لیے وقت ہی نہیں بچتا۔

تیسری وجہ خاندانی نظام کا کمزور ہونا ہے۔ ماضی میں جوائنٹ فیملی سسٹم میں بزرگوں کی موجودگی اور بچوں کی تربیت کا ماحول موجود تھا۔ آج نیوکلئیر فیملی میں ہر کوئی اپنے کمرے اور اپنے دائرے تک محدود ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اب والدین بھی بچوں کو خاندانی میل جول میں شامل نہیں کرتے۔ اگر کوئی مہمان آجائے تو بچے اپنے کمروں میں بند رہتے ہیں، نہ سلام کرتے ہیں اور نہ ہی کسی گفتگو میں شریک ہوتے ہیں۔ والدین بھی اس رویے کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے، گویا خاندان سے جڑاؤ ایک غیر ضروری چیز بن چکا ہے۔

چوتھی وجہ اعتماد اور خلوص کی کمی ہے۔ بڑھتی ہوئی خود غرضی اور دھوکہ دہی نے لوگوں کو ایک دوسرے سے محتاط کر دیا ہے۔ اسی طرح نفسیاتی مسائل جیسے ڈپریشن اور اضطراب بھی انسان کو تنہائی میں دھکیل دیتے ہیں۔

تنہائی پسندی کے اثرات:

فرد پر:

- ذہنی دباؤ اور ڈپریشن میں اضافہ۔
- خود اعتمادی میں کمی۔
- جسمانی صحت پر منفی اثرات جیسے بلڈ پریشر اور دل کی بیماریاں۔
- فیصلہ سازی کی صلاحیت کم ہونا۔

سماج پر:

- رشتوں کا ٹوٹنا اور کمزوری۔
- ہمدردی اور تعاون کا فقدان۔
- جرائم اور منفی سرگرمیوں میں اضافہ۔
- اجتماعی ہم آہنگی کا خاتمہ۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں: قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو" (سورۃ المائدہ:2) یہ آیت ہمیں اجتماعی زندگی اور تعاون کی اہمیت یاد دلاتی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مومن مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو سہارا دیتا ہے۔" (بخاری ومسلم) یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ ایک مضبوط معاشرہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہیں۔

حل اور تجاویز:

1. خاندانی تعلقات کو مضبوط کرنا۔

والدین بچوں کو خاندانی میل جول کا حصہ بنائیں، مہمانوں سے ملاقات، بزرگوں سے بات چیت اور اجتماعی کھانوں کی روایت کو زندہ کریں۔

2. ٹیکنالوجی کا متوازن استعمال۔

ورچوئل رابطے کے ساتھ حقیقی ملاقات کو ترجیح دیں۔

3. کمیونٹی ورک میں حصہ۔

محلے، مسجد یا کسی فلاحی ادارے میں رضاکارانہ خدمات انجام دیں۔

4. روحانی تعلق کو مضبوط کرنا۔

نماز، قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ دل کو سکون اور قربت کا احساس دیتے ہیں۔

5. نفسیاتی مدد حاصل کرنا۔

اگر تنہائی شدت اختیار کر جائے تو ماہرِ نفسیات سے رہنمائی لیں۔

تنہائی پسندی کا یہ بڑھتا ہوا ناسور فرد سے شروع ہو کر خاندان اور پھر پورے معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ہم نے ابھی سے اس رجحان کو نہ روکا تو آنے والی نسلیں جذباتی اور تعلقی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں گی۔ اس کے علاج کا آغاز گھر سے ہوتا ہے—والدین اپنے بچوں کو لوگوں سے جڑنا سکھائیں، میل جول کی خوبصورتی سمجھائیں، اور حقیقی تعلقات کو ورچوئل دنیا پر ترجیح دیں۔ یہی ایک صحت مند اور خوشحال سماج کی بنیاد ہے۔

توہم پرستی کے معاشرتی ونفسیاتی اسباب

ریشماں یسین

آج سائنسی ترقی نے انسان کو اس قابل بنادیا ہے کہ وہ اپنے ماضی کا جائزہ لے کر معاشرے میں موجود عجیب وغریب قسم کے توہمات کے اثرات کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ اس طرح کے توہمات خصوصاً سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں یہ توہمات قدیم دور کے وہ تصورات ہیں جن کو جدید انسان نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں پایا ہے اور یہ انسانی نفسیات کا حصہ بن گئے ہیں۔ اس لیے آج بھی دنیا میں بعض افراد منتر، تعویز، گنڈے وغیرہ پر یقین رکھتے ہیں۔

ہم سینکڑوں سال ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ رہنے کے بعد ان سے علیحدہ تو ہو گئے مگر ہمارا رہن سہن اور سوچنے کا انداز اور خصوصاً عقائد اسی کلچر کی جھلک پیش کرتے ہیں۔ جیسے کالی بلی کا راستہ کاٹنا، برتن ٹوٹنا، الّو کا بولنا، کالا ٹیکا لگانا یا آندھی طوفان کو اپنی بد قسمتی کا پیغام سمجھنا، انہی کمزور عقائد کا حصہ ہے۔ پھر انہی منفی خیالات کو وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر کچھ رسومات یا علامات کو مبارک اور کچھ چیزوں کو منحوس ٹھہراتے ہیں۔ ایسے افراد منفی خیالات کا شکار ہو کر اپنی خوشیاں اور سکون برباد کر لیتے ہیں اور بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔

اسلام میں توہم پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں میں یہ مرض اکثر پایا جاتا ہے۔ یہ بات ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی دن، پتھر چاند، ستارے انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اس کے باوجود انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں اس کی قسمت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کی گردش کے ذریعہ وہ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے نجومیوں کے پاس جاتے ہیں۔ جو صحیح عمل نہیں اور خلاف دین ہے۔ اسی طرح اخبارات میں ”آج کا دن کیسا گزرے گا؟“، ”یہ ہفتہ کیسا رہے گا؟“ کے عنوان سے جو باتیں لکھی جاتی ہیں، شریعت میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ نبی کریم کا ارشاد ”مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَہٗ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ صَلَاۃٌ اَرْبَعِينَ لَيْلَة،(صحیح مسلم ۲۲۳۰)

ترجمہ: جو شخص نجومی کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اُس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

مسلمانوں میں توہم پرستی کی سب سے بڑی وجہ کم علمی اور دینی احکام سے ناواقفیت ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد“ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ

ترجمہ : جو کوئی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔(سورہ النساء:۷۹)

اکثر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں میں تعلیم کی کمی اور عقائد کی کمزوری پائی جائے وہ اس کا شکار ہوتے ہیں۔ مگر اس کا تعلیم یافتہ ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ جب ہم مغربی ممالک کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ 13 نمبر کو اس قدر منحوس سمجھتے ہیں کہ وہ بلند وبالا عمارتوں میں 12 نمبر کی منزل کے بعد 14 نمبر کی منزل بناتے ہیں، اسی طرح مہینے کی 13 تاریخ جمعہ کے دن آجائے تو اسے " بلیک فرائیڈے " کہ کر اس دن خصوصی عبادات کا اہتمام کرتے ہیں۔ دین اسلام میں ایسی خرافات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی دماغ غلط رویوں پر جلد ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ یعنی جس طرح ایک موبائل یا کمپیوٹر میں وائرس آجائے تو اس کی تمام پروگرامنگ خراب ہو جاتی ہے، اسی طرح ہمارا دماغ بھی اس طرح کے وائرس یعنی توہم پرستی یا کمزور عقائد کے زیر اثر آجاتا ہے اور ہم توہم پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ توہم پرستی میں مبتلا افراد ذہنی ونفسیاتی دباؤ کے زیر اثر آجاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اپنی بڑی سے بڑی خوشی کے موقع پر بھی دلی خوشی سے محروم ہوتے ہیں۔ ان میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے اور وہ ڈر اور خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ صحیح کام کر کے بھی تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ اپنے توہم پرستی سے جڑے قصے لوگوں کو سناتے ہیں تو وہ لوگ جو ایسی باتوں پر یقین نہیں کرتے وہ اپنی کم علمی اور کمزور عقیدے کی وجہ سے ان کو سچ سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وہ ہر بات پر جھنجھلاہٹ اور بے چینی کے رویوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اب اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے سامنے توہم پرستی سے جڑے کمزور عقائد کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر بتانے کی بھرپور کوشش کرے تو اُسے فوراً ٹوک دیں۔ بلکہ ایسے لوگوں سے دوستی ہی نہ کریں جو وہمی اور توہم پرستی اور کمزور عقائد کے مالک ہوں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ زمانہ اور اپنے گرد و پیش کو برا بھلا کہنے کے بجائے اپنے رب سے تعلق کو مضبوط کرتے ہوئے اپنے اعمال کا جائزہ لے کر ان کی اصلاح کرے۔ گو کہ یہ کام مشکل ہے مگر جب سب ساتھ مل کر کریں گے تو اس معاشرے سے فرسود اور توہم پرستی کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اس کے ساتھ ایسے افراد کی تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں کی جائے تاکہ ان کی زندگیاں آسان ہوں، ان شاء اللہ۔

ہنر مند خواتین سماج کا فخر

میمونہ راحت

بلاشبہ بہت طویل عرصے سے خواتین کی شراکت گھر تک ہی محدود رہی، گھر کو سنبھالنے بچوں کی پرورش اور خاندانوں کی نگہداشت ان کا فخر رہا۔ لیکن جیسے جیسے دنیا بدلی لوگ اس سچائی کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ہنر مند خواتین آثاثہ ہی نہیں بلکہ ایک ترقی یافتہ معاشرے کا اہم حصہ ہیں۔

آج کل کی دنیا میں ہنر مند خواتین سائنس ء ٹیکنالوجی سے لے کر آرٹ، ادب، تعلیم اور کئی اور شعبہ جات میں اپنی پہچان بنا رہی ہیں۔ اور یہ ان کے لیے فخر کا مقام ہے۔ یقینی طور پر معاشرے اور خاندان کے لیے ایک مثبت پہلو ہے۔

لوگوں کے دلوں میں جو ان کے متعلق خیالات تھے کہ وہ ایک کمتر درجے میں رہتی تھیں اس ہنر مندی کی وجہ سے معاشرے اور خاندان میں ایک باعزت مقام حاصل کر رہی ہیں۔ یقینی طور پر ان کی شراکت اہم ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، تاکہ دوسری خواتین بھی ہنر مندی کے اصولوں کو سیکھیں، تعلیم حاصل کریں اور اپنی زندگی اور معاشرے کی زندگی کو اچھا رخ دے سکیں۔ ان کو اپنے تجربات بتائیں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو معاشرے میں ان کا ایک مقام بنے۔ خواتین معاشرے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہیں، نہ صرف خاندان کی کفالت کا باعث بن سکتی ہیں بلکہ خود بھی ایک مقام حاصل کر سکتی ہیں۔

خواتین آج کل مختلف شعبہ جات میں کام کر رہی ہیں جن میں تعلیم، جہاں وہ اساتذہ کے طور پر کام کرتی ہیں اور صحت کے شعبے میں ڈاکٹر، نرس، مڈوائف اور سائنس اور ٹیکنالوجی جیسے شعبہ جات میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ اسی طرح سے سیاست میں بھی اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ کاروبار میں شراکت اور اپنا کاروبار بھی چلا رہی ہیں۔ اسی طرح فنون لطیفہ اور ثقافت کے شعبوں میں بھی کام کر رہی ہیں۔

ہنر مند خواتین نے بعض شعبوں میں بہت نام کمایا ہے۔ جہاں ان کو کچھ مسائل کا سامنا رہتا ہے، جن میں ان کو صنفی تعصب کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو ان کی کامیابی کے راستہ میں حائل ہوتا ہے اور ان کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ ان کو جنسی طور پر بھی حراساں کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ترقی میں رکاوٹیں آتی ہیں اور وہ اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال نہیں کر پاتیں۔

دوسری طرف خاندان کی پوری ذمہ داری ان پر ہوتی ہے۔ جب وہ اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کر کے گھر آتیں ہیں ان کو گھر کا بھی اسی طرح سے نظام چلانا ہوتا ہے۔ جس سے ان کے ارادے کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ اس معاشرتی بوجھ کی وجہ سے ہمت ہار سکتی ہیں۔ ان کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خاندان کے افراد کی طرف سے

حوصلہ افزائی کا نہ ہونا ان کو کمزور بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر موقع پر ان کے لیے محدود مواقع ان کے لیے کمزوری کا باعث بنتے ہیں۔ جو ان کی کیریئر کی ترقی میں ایک رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ جس طرح معاشرے میں ان کے فعال ہونے کو اہمیت دی جاتی ہے اسی طرح ان کے مسائل پر بھی کام کرنا ہو گا تا کہ وہ آسانی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کریں۔

حکومت کی طرف سے ان کی تعلیم و تربیت کے فری کورسز کا اہتمام کرانا چاہیے تا کہ ایک بہتر معاشرہ جنم لے سکے۔ خاندان کے نظام کو چلانے کے لیے ی دقیانوسی تصورات کو ختم کرنا ہو گا، اور خواتین کو حقوق دینے ہوں گے۔ ان کی خود اعتمادی کو پروان چڑھانا ہو گا تا کہ وہ دوسروں کے لیے مثال بن سکیں۔

محنتی عورت اپنے ہنر سے گھر کی معیشت مضبوط بناتی ہے۔ماں یا استاد سے سیکھا ہوا بیٹیوں اور شاگردوں کے لیے سرمایہ بن جاتا ہے۔ اب محنت اور مہارت ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مشکل اوقات میں اور گھریلو بحران کی صورت میں وہ ایک ہتھیار ہوتی ہیں اور دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے وہ خود کفیل ہوتی ہیں اور اپنے مشکل حالات میں اپنے گھر کو سنبھالتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو پردے میں رہ کر ہر قسم کے کام کی اجازت دی ہے جو دین کے دائرے میں ہو۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی بزنس کیا کرتی تھیں اور اعلی بصیرت کی حامل تھیں۔ تجارت کے معاملات میں بڑی حکمت عملی کے ساتھ اپنے کام انجام دیا کرتی تھی۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم عورت کے ہنر کو محض تعریف کی حد تک محدود نہ رکھیں بلکہ اسے عملی میدان میں کامیابی کے مواقع فراہم کریں اور یہی ایک مضبوط اور روشن معاشرے کی بنیاد ہے۔

کہانی: اللہ تعالیٰ کے حضور

عظمی بابر ع

"ارے، ارے عبد اللہ! بیٹا، یہ کیا دوڑ لگا رکھی ہے، کہاں بھاگتے پھر رہے ہو؟" دادی اماں نے عبد اللہ کو غسل خانے اور پھر جائے نماز کے لیے ادھر اُدھر بھاگتے دیکھا تو پوچھنے لگیں۔

"وہ دادی اماں جائے نماز نہیں مل رہی، اور میری نماز کا وقت نکلتا جا رہا ہے۔" عبد اللہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جائے نماز نہیں مل رہی؟ ارے تو ایک جگہ پر کیوں نہیں رکھتے؟ کبھی میز کے اوپر، کبھی بستر پر، کبھی کسی کونے میں۔" امی جان نے باورچی خانے سے آواز لگائی۔

"امی۔۔" عبد اللہ نے امی کی چھوٹی سی ڈانٹ پر بڑا سا منہ بنایا۔

"عبد اللہ! اس وقت آپ میری جائے نماز لے لو، اور نماز ادا کرو۔ پھر آکر میری بات سننا۔" دادی اماں نے اپنی جائے نماز عبد اللہ کو دیتے ہوئے کہا تاکہ اس کی نماز قضا نہ ہو۔

نماز کی ادائیگی کے بعد عبد اللہ دادی اماں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اور اس کی بڑی بہن فاطمہ بھی پیار سے دادی اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی نماز ادا کر کے سیدھی دادی اماں کے پاس آگئی تھی۔ دادی اماں نے پیار سے دونوں کے ماتھے کو چوما۔

"ہاں بھئی کیا کیا باتیں ہوئیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟" مسکراتے ہوئے انہوں نے دونوں سے پوچھا۔

فاطمہ مسکراتے ہوئے بولی: "دادی اماں! عبد اللّٰہ کی تو اللہ تعالیٰ سے کوئی بات ہوئی ہی نہیں، کیونکہ عبد اللّٰہ نے تو اس وقت نماز ادا کی، جب وقت تقریباً نکل رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس نے نماز کے سارے ارکان جلدی جلدی ادا کیے۔"

"ہوں۔! کیا ایسا ہی ہے عبد اللہ؟"

"دادی اماں نے ناک پہ عینک جماتے ہوئے پوچھا۔"

"وہ۔۔۔وہ دادی جان میں دراصل گیم کھیل رہا تھا تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔" عبد اللہ گڑبڑا سا گیا۔

"اچھا تو میرے بچے! کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تمہیں نماز ادا کرتے وقت پتہ نہ چلا ہو، اور گیم کھیلنے کے لئے وقت کم رہ گیا ہو؟ اور تم نے جلدی جلدی پانچ منٹ کے اندر گیم کھیل لی ہو؟"

"نہیں دادی اماں ایسا کبھی نہیں ہوا۔" عبداللہ نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نظر میں اہمیت کس کی ہوئی اللہ تعالیٰ کی، یا پھر گیم کی؟" عبداللہ شرمندہ نظروں سے سر جھکائے زمین کو دیکھنے لگا۔

"میری جان! جب اللہ کے حضور جاتے ہیں نا تو اپنا دھیان صرف اللہ کی طرف لگاتے ہیں۔" دادی اماں نے اسے شرمندہ دیکھا تو پیار سے تلقین کی۔

فاطمہ بولی: "دادی اماں اللہ کے حضور جانا کیا ہوتا ہے؟"

"میری بیٹی اللہ کے حضور جانے کا مطلب ہے، صرف جسمانی طور پر ہی ہم اپنے رب کے سامنے پیش نہ ہوں بلکہ اللہ تعالی کی طرف ذہنی طور پر بھی حاضر رہا جائے۔ جس کے لئے ہمیں پوری نماز کے معنی آنے ضروری ہیں۔ تاکہ سارے ارکان ادا کرتے وقت ہمیں اس کی موجودگی کا ہر دم احساس رہے، کہ اللہ تعالی ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اور پھر ذہن میں گیم کا خیال بھی نہ آئے گا انشاءاللہ۔"

عبداللہ اور فاطمہ توجہ سے ان کی بات سن رہے تھے۔

"ورنہ! تم جسمانی طور پر کھڑے تو اللہ کے سامنے ہو گے لیکن ذہن گیم کی عبادت میں لگا ہوا ہو گا۔" دادی اماں نے بات مکمل کی۔

"گیم کی عبادت! میں تو، گیم کی عبادت نہیں کرتا، میں صرف گیم کھیلتا ہوں!" عبداللہ نے معصومیت سے کہا۔

"بدھو! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کر بھی نہیں سکتے یہ تو شرک ہو گا۔" فاطمہ نے بڑی بی بنتے ہوئے کہا۔

دادی اماں نے مسکراتے ہوئے کہا:

"دیکھو عبداللہ! اگر تم کسی سے بات کر رہے ہو اور دوسرا تمہاری بات پر دھیان دینے کے بجائے ادھر اُدھر دیکھ رہا ہو، یا کچھ اور سوچ رہا ہو، تو کیا تمہیں اچھا لگے گا؟"

"نہیں۔" دونوں بیک وقت بول اٹھے۔

"اسی طرح اللہ تعالی کو بھی اچھا نہیں لگتا، کہ اگر آپ اس کے حضور پیش ہوں تو آپ کا دھیان کہیں اور لگا ہوا ہو۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور، بے دھیانی میں جلدی جلدی نماز ادا کر کے بھاگ جائیں، تو یہ تو بہت ہی نا قابل قبول بات ہے۔"

"معذرت! دادی اماں آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" عبد اللہ نے افسردہ سی شکل بناتے ہوئے کہا۔

دادی اماں نے اس کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا:

"میں جانتی ہوں کہ تم دوبارہ ایسے نہیں کرو گے کیونکہ تم "عبد اللہ" ہو اور میرے بہت پیارے بیٹے ہو، اور ہاں آئندہ سے جائے نماز بھی ایک جگہ پر رکھنا تاکہ ادھر ادھر ڈھونڈنے میں تمہارا وقت ضائع نہ ہو۔"

عبد اللہ نے ہاتھ میں پکڑا جائے نماز سینے سے لگاتے ہوئے عزم کیا کہ وہ اب جائے نماز کو ہمیشہ جگہ پر رکھے گا۔

Words of Magic Or Wisdom?

By Fatima Qureshi

From the days of ignorance, Dimad Ibn Th'alabah Azdi(ضِمَادُ بْنُ ثَعْلَبَةَ الْأَزْدِي رضی اللہ عنہ) was a close friend of the Messenger of Allah ﷺ. He was a trader, a physician. He used to treat people afflicted by magic and other such ailments.

When he came to Makkah(مَکَّۃ) after the Messenger of Allah ﷺ became a Messenger, he saw many people following the Messenger of Allah.ﷺ

However, some were not his followers and were calling him a magician and fortune-teller،(نعوذ باللہ) whilst others called him a mad man.(استغفر اللہ)

One day, Dimad(ضماد) appeared before the Messenger of Allah ﷺ and said:

"_Muhammad! I can treat insanity very well. Allow me to treat you. Perhaps Allah ﷻ will cure you at my hands_".

The Messenger of Allah ﷺ replied by reciting the following words to Dimad:

"*_All praise is due to Allah. We ask of His assistance and beg His forgiveness. And we seek the refuge of Allah from the evils of our desires_*.

*"إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا،*

*_He whom Allah guides, none can lead him astray and he whom Allah leads astray, none can guide him_*.

* مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہُ، وَمَنْ یُضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہُ، *

*_And I bear witness that there is none worthy of worship but Allah, He is alone and has no partner and I bear witness that Muhammad ﷺ is His slave and true messenger_*".

*وَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لَا شَرِیکَ لَہُ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہُ وَرَسُولُہُ"*

Dimad relates:

"*I requested the Messenger of Allah ﷺ to repeat his words once again. By Allah جَلَّ جَلَالُہٗ، I have come across an abundance of poetry and I have heard many words of the fortune-tellers but I have never ever come across such words*.

I take an oath in the name of Allah جَلَّ جَلَالُہٗ، these words are very eloquent. And I also declare that I bear testimony that there is none worthy of worship but Allah, He is alone and has no partner and I bear witness that Muhammad ﷺ is His slave and true messenger".

This is how the friend of Rasool Allah ﷺ، Dimad (ضماد اَبن ثعلبۃ الأزدي رضی اللہ عنہ) embraced Islam.